

فکری و عملی تربیت کا معیار مطلوب (1)

*سید شکیل احمد انور، حیدرآباد

مارچ ۲۰۱۳ء / ربیع الثانی / جمادی الاول ۱۴۳۵ھ جلد: ۳۰ شماره: ۳

وابستگان جماعت اسلامی کی درجہ بندی ایک تنظیمی ضرورت ہے یہ درجے متفق، کارکن اور رکن کی حیثیت میں کئے جاتے ہیں ان میں رکنیت کی اساسی اہمیت ہے۔ رکن کے معنی ستون کے ہیں ایک اصولی، نظریاتی و انقلابی تحریک کارکن ہونا بہت اہمیت رکھتا ہے۔ چنانچہ جماعت نے اس کو چند شرائط، ذمہ داریوں اور معیار مطلوب کا تابع کر رکھا ہے۔ شرائط رکنیت کے مطابق کوئی فرد اس کے عقیدہ، نصب العین، طریق کار سے کامل اتفاق اور نظم جماعت کی پابندی کا عہد نہ کرے تو وہ اس کے قافلے میں بحیثیت رکن شامل نہیں ہو سکتا۔ شمولیت کے ساتھ رکن پر چند اہم ذمہ داریاں عائد ہو جاتی ہیں جن کا پورا کرنا مذکورہ عہد کا لازمی تقاضہ ہے۔ یہ ذمہ داریاں درج ذیل ہیں: غرائض دینی کو جملہ شرعی پابندیوں کے ساتھ ادا کرنا، کبار سے اجتناب، ذریعہ معاش اور فی الجملہ اپنی ساری معیشت کو حرام سے پاک رکھنا، حرام مال یا جائیداد سے دستبردار ہو جانا، مال و جائیداد میں کسی حقدار کا حق شامل ہو تو اس کی ادائیگی، غیر الہی نظام حکومت کے کلیدی مناصب اور نظام عدالت میں فصل مقدمات کے عہدے سے دست برداری ضروری ہے (البتہ وہ کسی مجلس قانون ساز کارکن ہو سکتا ہے بشرطیکہ شرعی حدود میں کام کرے۔ آخری ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اپنی استعداد و استطاعت کے مطابق بندگان خدا کو تحریک کے عقیدے اور نصب العین کی طرف دعوت دے اور جو لوگ اس دعوت کو قبول کر لیں انہیں اقامت دین کی اجتماعی جدوجہد پر آمادہ کرے۔ رکنیت کی یہ ذمہ داریاں تحریکی سفر کی دوسری منزل ہیں۔ یہ اس کی نظریاتی اساس کے ساتھ فکری و عملی یگانگت کے اظہار کی علامت ہیں۔

تحریک کے تنظیمی وجود کو ایک بلند و بالا عمارت سے تعبیر کریں تو اسکی پہلی منزل (شرائط) اور دوسری منزل (ذمہ داریاں) ہیں۔ ان میں ایک منزل طے نہ ہو تو دوسری کی سمت سفر متاثر ہو جاتا ہے اس خلاء کو چھلانگ لگا کر آگے نہیں بڑھا جاسکتا۔ معیار مطلوب ان دونوں منزلوں سے آگے عروج و ارتقاء کی تیسری منزل ہے۔ معیار مطلوب کے نکات یہ ہیں اسلام اور جاہلیت کے فرق اور حدود اللہ سے واقفیت یعنی علم صحیح، تعلق باللہ کی مضبوطی، معاملات دنیوی میں رضائے الہی کو اساس بنانا، رسوم جاہلیت سے پاکی، فساق و فجار سے قطع تعلق، غیر الہی نظام کا آلہ کار ہونے سے انکار، اضطراب کے بغیر غیر اسلامی عدالتوں سے گریز، تمام معاملات کا تقویٰ پر قیام، زندگی کی ساری سرگرمی کو اقامت دین پر مرکوز کرنا یہ منزل تربیت فکر و عمل اور صلاحیت کو پروان چڑھانے کا تحریکی

پیمانہ ہے جس کو عبور کرنا فرد کی شخصیت کی تکمیل کے لیے انتہائی ضروری ہے۔ تحریک اسلامی میں مناصب، عہدہ اور مختلف تنظیمی ذمہ داریوں کو تفویض کرنے کا جو عمل ہے اور جو درکار اوصاف ہیں وہ اسی معیار مطلوب سے جنم لیتے ہیں۔ تحریک میں کسی فروتر معیار کے حامل صاحب عہدہ و منصب کا تصور نہیں کیا جاسکتا ان منازل کو طے کئے بغیر سفر زوال کی علامت ہے۔

: معیار مطلوب

دستورِ جماعت میں رکن جماعت کی ذمہ داریوں کے بیان کے بعد ”معیار مطلوب“ کا عنوان درج ہے۔ اس میں چند اہم امور کی نشاندہی کی گئی ہے۔ مولانا صدر الدین اصلاحی مرحوم جماعتی دانشوروں کے سرخیل اور مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کے رفقاء کار میں سے تھے آپ تحریکی فکر و نظر کے مستند شارحین میں شمار کیے جاتے ہیں آپ نے ’معیار مطلوب‘ کی متذکرہ دفعہ کو کسی رکن جماعت کی ذہنی و فکری، دینی و تحریکی تربیت کا مطلوبہ معیار قرار دیا ہے۔

تحریک اسلامی اپنے ارکان کو جس حد تک ”تربیت یافتہ“ دیکھنا چاہتی ہے اور انکی تربیت کا اس کے نزدیک جو مطلوبہ ”معیار ہے“ وہ دو لفظوں میں یہ ہے کہ لوگ اس کے رنگ میں پوری طرح رنگ جائیں اور ان کا ایمان، اخلاق، طرز عمل، طرز فکر، ہر شے ایسی بن جائے، جیسی ایک سچے مومن اور مخلص داعی حق کی ہونی چاہیے۔ اس بات کو اس نے مبہم یا مجمل نہیں رہنے دیا ہے، بلکہ اس نے پوری وضاحت بھی کر رکھی ہے اور اس وضاحت کو اپنے دستور میں جگہ دی ہے تاکہ وہ ہر رکن جماعت کی نگاہوں کے (۸۱) سامنے ہر وقت نمایاں رہے۔“ (تحریک اسلامی ہند، باب ارکان کی تربیت، صفحہ

: دستور جماعت دفعہ ۹ شق ۱۰۱۰ کو لفظاً لفظاً نقل کرنے کے بعد مولانا موصوف رقمطراز ہیں:

ان تفصیلات سے فکر و عمل کی جو تصویر بنتی ہے وہی تربیت کا معیار مطلوب ہے۔ دین و ایمان کے اسی مقام پر تحریک ”۔ اپنے ارکان کو فائز دیکھنا چاہتی ہے اور اس کا پورا تربیتی نظام اپنے ارکان کو اسی مقام تک پہنچانے کی خاطر وضع کیا گیا ہے

(تحریک اسلامی ہند، باب ارکان کی تربیت، صفحہ ۸۲)

جماعت کے میقاتی پروگرام (بابتہ ۲۰۱۱ء تا ۲۰۱۵ء) میں تربیت کے ذیل میں ۲۲ نکاتی پروگرام درج ہے۔ ہر رکن جماعت کو انفرادی طور پر اسے رو بہ عمل لانا ہے یہ بڑی حد تک اسی ”معیار مطلوب“ کی شرح ہے ”معیار مطلوب“ کی شرح وار تفصیل درج ذیل ہے۔

اسلام اور جاہلیت کے فرق کو جاننا اور حدود اللہ سے آگاہ ہو جانا۔ یہ نہایت اہم فکری، ایمانی و دینی تقاضہ ہے۔ اسلام اور جاہلیت کے موضوع پر مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کا اہم کتابچہ موجود ہے۔ اسلام وہ دین حق ہے جو اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں پر وحی کے ذریعہ نازل فرمایا۔ اس کے برعکس انسانوں نے اپنے مشاہدہ حسی اور وہم و قیاس کے سہارے تخلیق انسان و کائنات پر غور و فکر کر کے نظریات بنائے اور انسان کو محض ایک سماجی حیوان قرار دے کر مختلف تصورات و فلسفے گھڑ لئے ان کو جاہلیت کہا جاتا رہبانیت (Polytheism) شرک (Pure Ignorance) ہے۔ اس کی چند قسمیں ہیں۔ خالص جاہلیت مولانا مودودیؒ نے اسلام کے صحیح فہم اور جاہلی افکار - (Monism) اور ہمہ اوست (وحدت الوجود کا نظریہ (Monkery)) - واہام سے واقفیت کو ارکان کے انفرادی اوصاف میں اولین حیثیت دی ہے

سب سے پہلی چیز اسلام کا صحیح فہم ہے۔ جو آدمی اسلامی نظام زندگی کو برپا کرنا چاہتا ہو اسے پہلے خود اس چیز کو اچھی ” طرح جاننا اور سمجھنا چاہیے جسے وہ برپا کرنا چاہتا ہے۔ اس غرض کے لیے اسلام کا محض اجمالی علم کافی نہیں ہے بلکہ کم و بیش تفصیلی علم درکار ہے اور اس کی کمی و بیشی ہر شخص کی استعداد پر موقوف ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ اس راہ کا ہر راہ ر اور اس تحریک کا ہر رکن مفتی یا مجتہد ہو لیکن یہ بہر حال ضروری ہے کہ ان میں سے ہر ایک اسلامی عقائد کو جاہلی افکار و واہام سے اور اسلامی طرز عمل کو جاہلیت کے طور طریقوں سے ممیز کر کے جان لے اور اس بات سے واقف ہو جائے کہ زندگی کے مختلف شعبوں میں اسلام نے انسان کو کیا رہنمائی دی ہے۔ اس علم و واقفیت کے بغیر نہ آدمی خود صحیح راہ پر چل سکتا ہے نہ دوسروں کو راستہ دکھا سکتا ہے اور نہ تعمیر معاشرہ کے لیے کوئی کام صحیح خطوط پر کر سکتا ہے۔“ (تحریک اور کارکن، باب پنجم، انفرادی اوصاف، صفحہ: ۸۳: ۱۱: مولانا مودودیؒ)

قرآن حکیم میں احکام خداوندی حُدُودِ اللہ بھی کہا گیا ہے۔ صاحبِ ایمان کو حدود اللہ سے واقف ہونا چاہئے جس مقام سے معصیت کی حد شروع ہوتی ہے عین اسی مقام کے آخری کناروں پر گھومتے رہنا آدمی کے لیے خطرناک ہے۔ سلامتی اس میں ہے کہ آدمی سرحد سے دور رہے تاکہ بھولے سے بھی قدم اسکے پار نہ چلا جائے، حدود اللہ کے بارے میں قرآن مجید کی درج ذیل آیات رہنمائی کرتی ہیں:

الَّذِينَ يَبُوءُونَ الْعِبْدُونَ الْحَمْدُونَ النَّاسِ يُجْزُونَ الرِّبْعُونَ السُّجْدُونَ الْأَمْرُونَ بِالْعُرْفِ وَالنَّاهُونَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحَفِظُونَ الْحُرُودَ
(۱۱۲: سورہ التوبہ آیت) وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۱۲﴾ اللَّهُ ۞

ذَلِكُمْ فَمَنْ لَمْ يُنْفِقْ فَإِطْعَامٌ سِتْرِينَ مِسْكِينًا ۞ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامٌ شَهْرٍ مِّنْ قَبْلِ أَنْ يَبْتَئِمَ ۞ سَاءَ مَا كَسَبَتْ
(۴: سورہ المجادلہ، آیت) وَاللَّكْفِيرِينَ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۴﴾ وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ ۞ لَنْ نُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ۞

لَا تَجْرِبُوهُنَّ مِنْ ۞ وَاتَّقُوا اللَّهَ رَبَّكُمْ ۞ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِقُوهُنَّ لِعَدَّتِهِنَّ وَأَحْصُوا الْعِدَّةَ ۞
لَا تَدْرِي وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ ۞ وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ ۞ يُؤْتِيهِمْ مِنْ جَنِّ الْأَنْبَاءِ نَبَأَ حَشِيْمَتِ سَيِّدِي ۞
(۱: سورہ الطلاق، آیت) لَعَلَّ اللَّهُ يَكْفُرُ بَعْدَ ذَلِكَ أَمْرًا ﴿۱﴾

تعلق باللہ کے لیے فرائض و نوافل عبادات اور تلاوت قرآن کا اہتمام ضروری ہے اس سلسلہ میں سید مودودیؒ کا (۲) :- ارشاد ہے

اولین چیز جس کی ہدایت ہمیشہ سے انبیاء اور خلفائے راشدین اور صلحاء امت ہر موقع پر اپنے ساتھیوں کو دیتے رہے ”
“ہیں وہ اللہ سے ڈرنے اور اس کی محبت دل میں بٹھانے اور اس کے ساتھ تعلق بڑھانے کی ہدایت ہے

عقیدے میں اللہ پر ایمان مقدم ہے۔ عبادت میں اللہ سے دل کا لگاؤ مقدم ہے۔ اخلاق میں اللہ کی خشیت مقدم ” ہے۔ معاملات میں اللہ کی رضا کی طلب مقدم ہے اور فی الجملہ ہماری ساری زندگی ہی کی درستگی کا انحصار اس پر ہے کہ ہماری دوزدھوپ -“ اور سعی و جہد میں رضائے الہی کی مقصودیت ہر دوسری غرض پر مقدم ہو

تعلق باللہ سے مراد جیسا کہ قرآن مجید میں بتایا گیا ہے یہ ہے کہ آدمی کا جینا اور مرنا اور اس کی عبادتیں اور قربانیاں سب ” کی سب اللہ کے لیے ہوں

إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلرَّبِّ الْعَالَمِينَ

اور وہ پوری طرح یکسو ہو کر اپنے دل کو بالکل اللہ کے لیے خالص کر کے اس کی بندگی کرے۔

وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف مواقع پر اپنے ارشادات میں اس تعلق کی ایسی تشریح فرمادی ہے کہ اس کے مفہوم و مدعا میں کوئی ابہام باقی نہیں رہا۔ حضور ﷺ کے بیانات کا تتبع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تعلق باللہ کے معنی ہیں کہ خَشْيَةُ اللَّهِ فِي السِّرِّ وَ (۱۴۵ ۱۴۸) : الْعَلَانِيَةِ۔ کھلے اور چھپے ہر کام میں اللہ کا خوف محسوس کرنا، الخ: (ایضاً۔ راہ حق کے لیے ضروری توشہ صفحہ

تمام معاملات میں اپنے نقطہ نظر، خیال اور عمل کو ہدایت الہی کے مطابق ڈھالنا۔ اپنی زندگی کے مقصد، اپنی (۳) پسند اور قدر کے معیار اور اپنی وفاداریوں کے محور کو تبدیل کر کے رضائے الہی کے موافق بنانا اور اپنی خود سری اور نفس پرستی کے بت کو توڑ کر تابع امر رب بن جانا۔

ضروری وصف جو اس مقصد کے لیے کام کرنے والوں میں ہونا چاہیے وہ یہ ہے کہ جس دین پر وہ نظام زندگی کی تعمیر ” کرنا چاہتے ہیں وہ خود اس پر پختہ ایمان رکھتے ہوں۔ ان کا اپنا دل اس کے صحیح و برحق ہونے پر مطمئن ہو اور ان کا اپنا ذہن اس معاملے میں پوری طرح یکسو ہو جائے۔ شک اور تذبذب اور تردد لیے ہوئے کوئی شخص اس کام کو نہیں کر سکتا۔ دماغی الجھنیں اور نظر و فکر کی پراگندگیاں لے کر یہ کام نہیں کیا جاسکتا۔ کوئی ایسا آدمی اس کام کے لیے موزوں نہیں ہو سکتا جس کا دل ڈانوا ڈول ہو، جس کا ذہن یکسو نہ ہو، اور جسے خیال و عمل کی مختلف راہیں اپنی طرف کھینچ رہی ہوں یا کھینچ سکتی ہوں۔ یہ کام تو جسے بھی کرنا ہو اسے قطعی طور پر اس بات کا یقین ہونا چاہیے کہ خدا ہے اور انہی صفات سے متصف، انہی اختیارات کا مالک اور انہی حقوق کا مستحق ہے جو قرآن میں بیان ہوئے ہیں۔ آخرت ہے اور ٹھیک ویسی ہے جیسی قرآن میں بتائی گئی ہے۔ راہ راست صرف ایک ہے اور وہ وہی ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دکھائی ہے ہر وہ چیز باطل ہے جو اس کے خلاف ہو یا اس سے موافقت نہ رکھتی ہو۔ جو خیال بھی کسی دوسرے نے پیش کیا اور جو طریقہ بھی دوسرے نے نکالا ہے اس کو جانچنے کی کسوٹی صرف ایک ہے اور وہ ہے اللہ کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی سنت۔ اس کسوٹی پر جو کھرا اترے وہ کھرا ہے اور جو کھوٹا اترے وہ کھوٹا ہے۔ اسلامی نظام زندگی کی تعمیر کے لیے ان حقیقتوں پر پختہ یقین درکار ہے، دل کا پورا اطمینان درکار ہے۔ دماغ کی کامل یکسوئی درکار ہے۔ جو لوگ اس معاملے میں ادنیٰ تذبذب بھی رکھتے ہوں یا جن کی دلچسپیاں ابھی دوسری راہوں سے وابستہ ہوں انہیں اس عمارت کے معمار بن کر آنے سے پہلے اپنی اس کمزوری کا علاج کرنا چاہیے۔“

(۱۸۴ ۱۸۵۔ : (ایضاً: اسلام پر پختہ ایمان“ صفحہ

دینی تقاضوں کے سلسلہ میں کامل ذہنی یکسوئی کے بعد خود سری اور نفس پرستی کے عیوب سے پاک ہونا از بس ضروری ہے۔ مولانا موصوف فرماتے ہیں

انسان کی کمزوریوں میں سب سے بڑی اور سخت فساد انگیز کمزوری ”نفسانیت“ ہے۔ اس کی اصل توحب نفس کا وہ ” فطری جذبہ ہے جو بجائے خود بری چیز نہیں بلکہ اپنی حد کے اندر ضروری بھی ہے اور مفید بھی۔ اللہ تعالیٰ نے یہ جذبہ انسان کی فطرت میں اس کی بھلائی کے لیے ودیعت فرمایا ہے تاکہ وہ اپنی حفاظت اور اپنی فلاح و ترقی کے لیے کوششیں کرے لیکن جب یہی جذبہ شیطان کی اکساہٹ سے عشق نفس اور پرستش نفس اور خود مرکزیت میں تبدیل ہو جاتا ہے تو مصدر خیر ہونے کے بجائے منبع شر بن جاتا ہے اور پھر ہر درجہ ارتقاء میں اس سے عیوب کا ایک نیا سلسلہ وجود میں آتا چلا جاتا ہے۔“ (ایضاً: نقائص اعمال صفحہ ۲۱۱)

نفسانیت کے عیوب میں خود سری خود پسندی اور خود پرستی، بغض و کینہ پروری، چغل خوری و غیبت، بدگمانی، ”
(۲۲۲ ۲۱۱۔ نجوی ہے جس کی وضاحت نہایت تفصیل سے کی گئی ہے۔“۔ (ایضاً: صفحہ

(جاری)